پریم چند کے ناولوں میں معاشی تصورات

Economics Concepts In The Noveld Of Prem Chand

صائمہ اقبال,پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد
Saima Iqbal, Ph.D Scholar. Dept of Urdu
Government College University, Faisalabad

ڈاکٹر پروین کلو، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد
Dr. Parveen Kallu, Associate Professor, Dept. of Urdu,
Government College University, Faisalabad

Abstract

Dhanpat Rai Shrivastave (1880-1936) better known by his pen name Munshi prem Chand, was an Indian writer famous for his modren Hindi Literatura.He wrote novels and shortstories.Prem Chand in his novels Gosha-e-Afiat, Gaudan, Medane-e-Aml and Chogan-e-Hasti described the terrible socio economic conditions of farmers under feudals. In those novels mention of feudals,poor farmers, laborers and working class are present.The sourse of economy is agriculture but industry and mills are also present.This research article explore the economic condition ,these are mentioned by Prem Chand in his novels.

Key words: Urdu Novels, Prem Chand, Gosha-E-Afiat,Gaudan, Medane-e-Aml and Chogan-e-Hasti.

کلیدی الفاظ: اردو ناول، پریم چند، گوشہ عافیت، گئودان، میدان عمل، چوگان ہستی

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں ساری دنیا معاشی حوالے سے زندگی کے ایک نئے رنگ ڈھنگ سے آشنا ہوئی۔ روس کے انقلاب نے دنیا کے مجبور و بے بس طبقوں میں بیداری پیدا کر دی ۔ بیداری کی اس لہر سے سیاست و معاشرت ، صنعت و حرفت ، علم و فکر میں ایک انقلاب بھرپا ہوا۔ نئے نئے قوانین کی تشکیل نے کسانوں اور مزدوروں کو سخت مشکل میں ڈال دیا تھا۔ ہندوستانی کسانوں کی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے بر عکس اعلیٰ طبقہ کے ساتھ انگریزی حکومت کا رویہ دوستانہ تھا۔ زمیندار اور تاجر پیشہ لوگ اوچھے ہتھکنڈوں کے ذریعے انگریزوں کی وفاداری حاصل کرنے کی کوشش کر

رہے تھے۔ کسان سماجی، اقتصادی اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہوا۔ نئے تصورات اور نظریات نے زندگی کے ہر شعبے کو بدل کرر کھ دیا۔ چنانچہ ہندوستانی سماج کے ساتھ ساتھ اردوناول پر بھی اس کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس وقت کے اہم ناول نگار منشی پریم چند کے ناولوں میں اس دور کے معاشی تصورات کی خوبصورت عکاسی ملتی ہے۔

پریم چند کا نام دھنپت رائے تھا۔ آپ ۱۸۸۵ء میں منشی عجائب لال کے ہاں موضع پانڈے پور ضلع بنارس میں پیدا ہوئے۔ ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۰۱ءمیں افسانہ سے کیا اور بے شمار ناول اور افسانے لکھ کر ادب میں ایک مقام حاصل کیا۔ آپ نے ۱۹۳۶ء میں بنارس میں وفات پائی۔

گوشہ عافیت

'گوشہ عافیت' ناول میں پریم چند نے شمالی ہند کے گاؤں لکھن پور کی تباہی وبربادی اور یہاں کے غریب کسان کی حالت زار کے حوالے سے معاشی تصورات کو پیش کیا ہے۔ یہ ناول ۱۹۲۰ء میں لکھا گیا۔ یہ ناول اس عہد سے تعلق رکھتا ہے جب پہلی جنگ عظیم کے نتیجے میں پوری دنیا خصوصاً ہندوستان شدید معاشی بحران کا شکار ہو چکا تھا۔ ایک طرف معاشی بحران، دوسری جانب زمیندار اور جاگیردار کا استحصالی رویہ کسانوں کے اندر بے چینی اور عدم اطمینان کو فروغ دینے کا باعث بن رہا تھا۔ پریم چند کے معاشی تصورا کے حوالے سے ڈاکٹر خالد اشرف لکھتے ہیں:

> " اس ناول کے ذریعے پریم چند نے آزادی سے پہلے ہندوستانی کسانوں پر ہونے والے ظلم وستم کی نشاندہی کی ہے۔ جس کے تحت کسانوں کی آدھی فصل زمیندار اور اس کے گماشتے لے جاتے ہیں۔ فصل خراب ہونے کی صورت میں زبردستی پورالگان وصول کیا جاتا ہے۔ مہاجن، مویشی اور زمین ہتھیا کر اپنی رقم وصول کر لیتے ہیں اور موقع پڑنے پر کمزور کسانوں کی بہو، بیٹیوں کو بھی استعمال کر لیتے تھے، ان کے گھر جلا دیتے تھے۔" (۱)

اس ناول میں دو طبقات کے حوالے سے معاشی تصورات کو پیش کیا گیا ہے۔ ایک طبقہ زمیندار ہے جس کا نمائندہ 'گیان شنکر' ہے اور دوسرا طبقہ کسانوں کا ہے جو متوسط طبقہ کہلاتا ہے۔ ڈاکٹر عرفان، ایجاد حسین اور شمشیر شاہ اس کے نمائندہ کردار ہیں۔

ناول کا ہیرو 'بلراج' زمینداروں اور اس کے حواریوں کے مظالم کے باعث ان سے باغی ہو کر ان کے خلاف معاشی جدوجہد کا آغاز کر دیتا ہے۔ بلراج امریکہ سے تعلیم حاصل

کر کے آیا ہے جس نے اس کے قلب و نظر میں کشادگی پیدا کر دی ہے۔ اس لیے وہ معاشی لحاظ سے امیر غریب میں فرق نہیں کرتا ہے۔ پریم چند نے ایک پڑھے لکھے انسان کے نظریات کے حوالے سے معاشی تصورات کو اس ناول میں بیان کیا ہے۔

دوسری جانب 'گیان شنکر' ایک مکمل زمیندار کے روایتی کردار پر پورا اترتا ہے۔ جو اپنی زمینداری کے رعب میں رہتا ہے۔ اس کا واحد مقصد زیادہ سے زیادہ جائیداد اور دولت کا حصول اور اپنی شان و شوکت میں اضافہ کرنا ہے۔ وہ ظاہری طور پر کسانوں پر ترس کھاتا ہے لیکن یہ سب ایثار دکھاوے کے لیے ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس کردار کے ذریعے سے پریم چند نے زمیندار کے حوالے سے معاشی تصور کو پیش کیا ہے۔

'جولا سنگھ' اور 'دیا شنکر' جیسے حاکم جو اعلیٰ عہدے رکھتے تھے ان غریبوں کی معاشی مشکلات کو سمجھنے لگے تھے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر عرفان علی، ایجاد حسین اور شمیر شاہ جیسے متوسط طبقے کے لوگ ان کسانوں کے ساتھ مل کر ان کے مسائل کو حل کرنے کی جدوجہد کرنے لگے تھے۔

'قادر خان' اور 'کھرن چوہدری' مفاہمت پسند، صلح اور امن کے حامی ہیں۔ اس لیے وہ حاکم کی مرضی کے مطابق اپنی زندگی گزارتے چلے جاتے ہیں۔ دراصل وہ ان کے معاشی مظالم کے طویل شکنجے میں رہتے رہتے اب اپنی اصل زندگی اور پہچان فراموش کر چکے ہیں اور انھوں نے اپنی بقا کے لیے جنگ کرنا بھی چھوڑ دی تھی۔ پریم چند ان کے خیالات کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''ارے ہم تو مورکھ، گنوار، ان پڑھ ہیں۔ وہ لوگ تو بدوان ہیں۔ انہیں نہ سوچنا چاہیے یہ غریب آدمی ہمارے ہی بھائی بند ہیں۔ ہمیں بھگوان نے بّدیا دی ہے۔ ان پر دیا کی نگاہ رکھیں۔ ان بدوانوں سے ہم مورکھ ہی اچھے، میں تو اپنے لڑکے کو ایسی بدّیا کبھی نہ پڑھاؤں جو اسے آدمی بنا دے۔ جلم کرنے سے جلم سہہ لینا اچھا ہے۔'' (۲)

کسان کے لیے اس کی زمین اس کی معاشی ضروریات کی تکمیل کا سبب ہے۔ کسان کے لیے اس کی زمین کی بہت اہمیت ہوتی ہے اور اس کے کھونے کے ڈر سے وہ زمین دار کا ہر ظلم برداشت کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس حوالے سے پریم چند اس طرح معاشی تصور پیش کرتے ہیں:

"اسی دھرتی سے پیدا ہوئے ہیں اور ایک روز اسی میں سما جائیں گے پھر یہ چوٹ کیوں سہیں؟ دھرتی ہی کے لیے بادشاہوں کے سر گر جاتے ہیں۔ اسی کے لیے ہم بھی اپنے سروں کو گرا دیں گے۔" (۳)

اس ناول میں اس عہد کی معاشی صورت حال کے ساتھ ساتھ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھنے والی زمیندار اور کسان کی کشمکش کی جھلکیاں بڑی وضاحت کے ساتھ دکھائی دیتی ہیں۔ کسانوں کی معاشی ابتری، جاگیر داروں کے جابرانہ اور استحصالی رویے اس کشمکش کے عکاس ہیں۔ ڈاکٹر افضال بٹ لکھتے ہیں:

"کسانوں کی معاشی ابتری، بے بسی اور معاشی استحصال پر پریم چند کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ ناول میں دیہات کے لوگوں کی زندگی اور وہاں کے کرداروں کے ذریعے ان کے مسائل سے آگاہی ملتی ہے۔ مصنف زمین دار، مہاجن اور متوسط طبقے کے کرداروں کے حوالے سے پورے ہندوستانی سماج کی زندگی کو پیش کرتے ہیں۔"(۴)

بنیادی طور پر یہ ناول دیہات کی معاشی بدحالی کا عکاس ہے جس کے باعث کسانوں اور مزدوروں کی زندگی عبرت بن چکی ہے۔ ان کا اعتقاد ہر طرح کی تبدیلی سے اُٹھ چکا ہے۔ پریم چند نے جاگیر دار طبقے کے معاشی مظالم اور نچلے طبقے کے کسان کے معاشی استحصال کے حوالے سے معاشی تصورات کو اس ناول میں پیش کیا ہے۔

چوگان ہستی

پریم چند کا یہ ایک اہم ناول ہے۔ یہ ناول ۱۹۲۷ء میں لکھا گیا۔ اس ناول میں بھی معاشی حوالے سے سرمایہ دارانہ نظام کی بے حسی اور معاشی استحصال کے حوالے سے معاشی تصورات کو بیان کیا ہے۔ اس ناول میں ہندوستان کے کسی ایک طبقے کے معاشی حالات کو بیان نہیں کیا گیا بلکہ ہر طبقے کے معاشی حالات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس میں غریب، محنت کش اور مزدور لوگ بھی ہیں۔ طاہر علی اور اس کا خاندان مسلمانوں کے متوسط طبقے کو پیش کرتے ہیں۔ جان سیوک اور بھو جان سیوک کے ذریعے پریم چند نے سرمایہ داروں کی ذہنی ہوس کو پیش کیا ہے۔

اس ناول کی کہانی بنارس کے گاؤں پانڈے پور سے تعلق رکھتی ہے جہاں زیادہ تر نچلے طبقے کے لوگ باہم میل جول اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ سبھی کو اپنی زمین و جائیداد سے بے حد لگاؤ ہے۔ گاؤں میں ایک اندھا کردار 'سور داس' کے نام سے رہتا ہے۔ جو سڑکوں پر آتی جاتی انگریز اور زمین داروں کی گاڑیوں کے پیچھے پیچھے بھاگتا ہے۔ یہ اس

کی معاش کا ذریعہ ہے جس سے وہ اپنے چھوٹے بچے مٹھوا کا پیٹ بھرتا ہے۔ سور داس کے پاس تھوڑی سی زمین ہے۔ جس سے آنے والی فصل سے بھی وہ اپنی معاشی زندگی کی گاڑی چلاتا ہے۔ مسٹر جان، مسز سیوک اور ان کی بیٹی صوفیہ عیسائی ہیں۔ مسٹر سیوک کو سور داس کی زمین بہت پسند ہے۔ وہ اس زمین پر سگریٹ بنانے کا کارخانہ قائم کرنا چاہتا ہے۔

گاؤں میں نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے بہت سے ایسے لوگ ہیں۔ جن کو اعلیٰ طبقے کی طرف سے بہت سے معاشی مسائل کا سامنا ہوا۔ ان میں بھیرو، سبھاگی، بجرنگی، جگدھر، ٹھاکر دین، جمنی، نایک، رام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے مکانات سرکار کی طرف سے گرانے کا حکم آیا تو ان کے اندر بدلہ لینے کی خواہش بیدار ہونے لگی۔

اس ناول میں ' سور داس ' کا کردار ہندوستان کے عام اور متوسط طبقے کا نمائندہ ہے۔ یہ محنت کش طبقے کے احساسات و جذبات اور معاشی حیثیت کی علامت ہیں۔ یہ وہ طبقہ ہے جو سرمایہ دار کے استحصال کے نتیجے میں انتہائی پسماندہ ہو چکا ہے۔ پریم چند اس کے حالات کا ذکر اس طرح کرتا ہے :

> "جھونپڑی کی چھت سے ٹٹول کر پیسے نکالے جو اس کی زندگی کا ما حصل تھا اور چولھے کے لیے پڑوس سے آگ مانگ کر لایا۔ پیڑوں کے نیچے سے سوکھی ہوئی ٹہنیاں جمع کر رکھی تھیں۔ انہیں سے چولہا جلایا۔ جھونپڑی میں دھندلی سی روشنی ہوئی۔ جھونپڑی کی بے سر و سامانی کا نظارہ کتنا دل شکن تھا۔ نہ کھاٹ نہ بستر، نہ برتن نہ بھانڈے۔ ایک گوشے میں مٹی کا ایک گھڑا تھا۔ بس یہی اس گھر کی ساری دولت تھی۔ اس کے تھیلے میں کچھ جُو تھے۔ کچھ چنے، تھوڑی سی جوار، اور مٹھی بھر چاول، اوپر سے قدرے نمک ڈال دیا۔ کسی کی زبان نے ایسی غذائے لطیف و نفیس نہ چکھا ہوگا؟ اس میں قناعت کی شرینی تھی۔" (۵)

اس ناول میں ان محنت کشوں کے حق میں آواز اٹھائی گئی ہے جو سرمایہ داروں کے استحصال کے نتیجے میں روز بروز زوال پذیر ہوتا جارہا تھا۔ یہ ناول سرمایہ داروں اور محنت کشوں کی کشمکش کے حوالے سے معاشی تصورات کا آئینہ دار ہے۔

میدانِ عمل

پریم چند کا یہ ناول بھی سرمایہ دارانہ نظام کے پسِ منظر میں تحریر کیا گیا ہے۔ پہلی بار یہ ناول ۱۹۳۲ء میں چھپا۔ جب تحریک آزادی اپنے پورے زوروں پر تھی اور صدیوں سے

معاشی طور پر تباہ حال اور مظلوم کسان طبقے میں اب آہستہ آہستہ اپنے معاشی حقوق کا شعور اور بیداری پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔

اس ناول کا مرکزی کردار امر کانت ایک صاحب حیثیت شخص 'لالہ سمر کانت' کا بیٹا ہے۔ جس کی اپنی دکان ہے۔ لالہ سمر کانت خالص کاروباری آدمی ہے۔ جو نفع کی خاطر نیکی و بدی سب کو برابر جانتے ہیں۔ امر کانت کا کردار ناجائز منافع خوری کے حوالے سے معاشی تصور کا عکاس ہے۔

یہ ناول اس عہد کی تخلیق ہے جب پورا ہندوستان تحریک آزادی میں سرشار اپنی موت اور زندگی کی لڑائی لڑ رہا تھا۔ 'میدان عمل' میں نچلے اور متوسط طبقے کے کسان، کاشتکار، مزدور اور نوجوان اپنے معاشی استحصال کے خلاف تحریک آزادی میں شامل نظر آتے ہیں۔ اس ناول کے حوالے سے صالحہ زریں لکھتی ہیں:

> "اس ناول میں سیاسی ٹکراؤ ہونے کے ساتھ ہی ساتھ معاشی اور سماجی حالات بھی بیان کئے گئے ہیں۔۔۔۔ دیہاتی زندگی کے مسائل، کسانوں اور زمینداروں کی کشمکش، کسانوں اور اپنے طبقے کی سیاسی و معاشی جدجہد کو پیش کرتا ہے۔" (۲)

دراصل پریم چند ان محنت کش لوگوں کے لیے انصاف چاہتے ہیں جو موجودہ نظام سے لڑ کر اپنے معاشی حقوق کو حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور یہی معاشی بحالی کی کوشش ان کے تمام ناولوں میں نظر آتی ہے۔ ان کے تمام ناول معاشی تصورات کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔

گئودان

"گئودان" پریم چند شاہکار ناول ہے۔ "گئودان" جاگیر دارانہ نظام اور اس کے زیر اثر پسے ہوئے کسان طبقے کے معاشی حالات کا بیان ہے۔ یہ ناول ۱۹۳۴ء میں لکھا گیا۔ اس ناول میں معاشی لحاظ سے دو طبقات ہیں۔ ایک طبقہ جاگیر داروں اور سرمایہ داروں کا ہے اور دوسرا طبقہ غریب کسانوں، مہاجنوں اور مزدوروں کا ہے۔ اس ناول میں اہم پیشہ زراعت کا ہے۔ اس کے علاوہ مل اور فیکٹریاں بھی معاش کا ذریعہ ہیں۔

جس عہد سے پریم چند کا تعلق تھا اس عہد میں ہندوستان ایک عجیب بد امنی اور افراتفری کا شکار تھا۔ جاگیر دارانہ نظام کی سختیوں کے ساتھ ساتھ معاشی مسائل نے کسانوں کو مہاجنوں، ساہوکاروں اور جاگیر داروں کے ہاتھ میں آلہ کار بنا کر رکھ دیا تھا۔ جبکہ دوسری جانب جاگیر دار طبقہ ان کسانوں کی محنت کے بل بوتے سے حاصل ہونے والی آمدنی سے عیش

وعشرت کی زندگی گزار رہے تھے۔ اس معاشی تصور کے حوالے سے ڈاکٹر محمد افضال بٹ لکھتے ہیں:

" زمیندار کسانوں سے لگان وصول کرتے تھے۔ سود کے قرض کی ادائیگی بھی کسانوں پر نئی آفت بن کر نازل ہوئی جس نے کسانوں کو نت نئی پریشانیوں سے دوچار کر دیا۔ لگان کی ادائیگی میں تاخیر ہو جاتی تو زمین دار کے کارندے اس سے نبرد آزما ہوتے۔ ان کسانوں کی زندگیاں، رواج پرستی، ذلت، استحصال، سماجی آداب ورسومات کی قید، سودی کاروبار کے پھندے اور سرکاری اعمال کی زور زبردستیوں کا شکار ہو رہی تھی۔" (۷)

اس ناول کا بنیادی موضوع معاشی استحصال ہے جس میں مصنف نے جاگیر دار طبقہ کے معاشی مظالم اور غریب طبقہ کے معاشی استحصال کو بیان کیا گیا ہے۔ اس ناول کا مرکزی کردار معاشی حالات کی پسماندگی کا شکار ایک غریب کسان 'ہوری' ہے۔ جو اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ دن رات کھیتوں میں کام کرتا ہے لیکن پھر بھی اپنی زندگی کی معاشی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا۔ وہ معمولی معمولی چیزوں کے لیے بھی دوسروں کا محتاج ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی محنت کی کمائی معاشی لحاظ سے طاقتور طبقہ مثلاً زمیندار، مہاجن، ساہوکار اور مذہبی اجارہ دار لے جاتے ہیں اور اس کے حصے میں صرف بھوک رہ جاتی ہے۔ اس کے گھر کی معاشی بدحالی کا بیان پریم چند کے الفاظ میں کچھ اس طرح ہے:

" رات کا وقت تھا سردی خوب پڑ رہی تھی۔ ہوری کے گھر میں آج کچھ کھانے کو نہ تھا۔ دن تھوڑا سے بھونا ہوا مٹر مل گیا تھا۔ مگر اس وقت چولہا جلنے کا کوئی ڈول نہ تھا۔ روپا بھوک سے بے حال تھی۔ اور دروازے پر الاؤ کے آگے بیٹھی رو رہی تھی۔ گھر میں اناج کا ایک دانہ بھی نہ تھا۔"(۸)

ہوری کے گھر کی معاشی حالت بہت خراب تھی۔ وہ سارا دن اپنی زمینوں پر کام کرتا اور فصل بوتا تھا۔ لیکن فصل جرمانے، ٹیکسوں اور قرضوں کی ادائیگی کے بعد خود اپنے خاندان کے ساتھ فاقے کرتا تھا۔ اور سردیوں کی سخت سردی میں بھوکے رہ کر ساری ساری رات اپنی فصلوں کی حفاظت کرتا تھا۔ پریم چند لکھتے ہیں:

" چاہتا تھا کہ ٹھنڈ کو بھول جائے اور سو رہے۔ مگر تار تار کمبل اور پھٹی ہوئی رضائی اور ٹھنڈ سے گیلا پوال جن کے سامنے آنے کی ہمت نیند

میں نہ تھی۔ بوائی پھٹے پیروں کو پیٹ میں ڈال کر ہاتھوں کو رانوں کے بیچ
میں دبا کر اور کمبل میں منہ چھپا کر اپنے ہی گرم سانسوں سے اپنے کو
گرمی پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ زندگی میں ایسا تو کوئی دن نہیں آیا کہ
زمین دار اور مہاجن کو دے کر کچھ بچا بھی ہو۔"(۹)

ہوری کی معاشی حالت اس وقت زیادہ خراب ہو جاتی ہے جب اس کا بیٹا گوبر گاؤں کی ایک لڑکی کو لے کر شہر بھاگ جاتا ہے۔ تو ہوری کو جرمانے کے طور پر تیس من غلہ اور سو روپے نقد دینے پڑتے ہیں۔ ہوری دانے دانے کا محتاج ہو کر اپنا تاوان ادا کرتا ہے۔ اس کے بعد اپنی زمین کو بچانے کے لیے اپنی بیٹی کو بھینٹ چڑھا دیتا ہے کیونکہ اس کی معاشی حالت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ ان تمام جرمانوں کی قیمت پیسے دے کر چکا دے۔ اس کے لیے اسے اپنے بچوں کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ غریب کسان کی معاشی حالت کا اس قدر بھیانک پہلو صرف پریم چند نے ہی دکھایا ہے۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے احتشام حسین لکھتے ہیں:

"گئودان اردو ناول کی تاریخ میں ایک ایسی منزل ہے جہاں صرف
پریم چند پہنچے وہ بھی صرف ایک بار۔" (۱۰)

اس ناول میں مصنف نے کسان کی زندگی کے معاشی المیوں کی تصویر کشی کی ہے۔ انھوں نے رائے صاحب، سنگھ پال، سلیا چمارن، روپا اور سونا کی شادی، ہوری کی موت اور دھنیا کی معاشی بے بسی اور اس کے علاوہ گاؤں کے بے شمار مسائل کے بیان سے معاشی تصورات کی عکاسی کی ہے۔ اس تصویر میں ہر فرد کی معاشی بدحالی جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہوری کی اپنے گھر والوں سے محبت اور گائے کو اپنے دروازے پر باندھنے کی خواہش ان کروڑوں کسانوں کی صف میں لا کھڑا کرتی ہے جو معاشی مجبوریوں میں دن رات پستے رہتے ہیں اور آہستہ آہستہ سسکتے ہوئے اپنی جان دے دیتے ہیں۔ ہوری جیسے لوگ اپنی موروثی زمین کو بچانے کے لیے اپنی زندگی تک وقف کر دیتے ہیں۔ پریم چند نے اس ناول میں ہوری کی معاشی بدحالی کو اس طرح بیان کیا ہے:

" ہارے ہوئے راجہ کی طرح اس نے خود کو اس تین بیگھے کھیت کے
قلعے میں بند کر دیا تھا اور اسے جان کی طرح بچا رہا تھا۔" (۱۱)

یہ غریب کسان اپنی معاشی پستی کی وجہ سے زمانے کی سختیاں جھیل رہا تھا۔ جاگیرداروں کے مظالم، موسم کی سختیاں، سماجی ماحول کی ناہمواریاں، باہمی تعلقات اور زمینی رشتے سبھی کے حوالے سے کسان استحصال کا شکار تھا۔ جاگیرداروں نے کسانوں کو معاشی لحاظ سے بدحال کرنے اور اپنی شان و شوکت قائم رکھنے کے لیے ان محنتی کسانوں کی کمائی اینٹھنے کے

مختلف طریقے اختیار کر رکھے تھے۔ ہوری ایسے ہی حالات میں وہ چند سکے بھی جاگیر دار کی نذر کر دیتا ہے جس کی اسے شدید ضرورت تھی لیکن جاگیر دار کو یہ نذر دینا اس کے نزدیک اپنی ضرورتوں سے زیادہ اہم تھا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو جاگیر دار کی طرف سے ملنے والی تمام رعائیتیں ختم ہو جاتیں۔ ہوری کی اس معاشی بد حالی کی تصویر کشی احتشام حسین اس طرح کرتے ہیں:

"ہوری نے زندہ رہ کر چاہے زیادہ احتجاج نہ کیا ہو۔ لیکن اس کی موت اس نظام کے خلاف زبردست احتجاج ہے۔ جس نے ایک معمولی سے کسان کو ظلم کے ہزار بندھنوں میں جکڑ رکھا تھا۔" (۱۲)

ہوری کا بیٹا نوجوان نسل کا نمائندہ کردار ہے۔ گوبر اپنی معاشی حالت سے دل برداشتہ ہے۔ وہ جاگیر دار کو پسند نہیں کرتا۔ اس کی نظر میں یہ سارا معاشی استحصال اُن جاگیر داروں کی طرف سے ہے جو خود تو عیش و آرام کی زندگی گزارتے ہیں لیکن غریب کسانوں کی محنت کا ایک دانہ بھی ان کے پاس نہیں رہنے دیتے اور چھین کر لے جاتے ہیں۔ وہ اپنے والدین کی معاشی بدحالی، بے بسی اور رسم و رواج کی وجہ سے استحصال اور معاشی بدحالی کو زیادہ دیر قبول نہیں کر پاتا۔ کیونکہ جس معاشرے میں غربت اور افلاس اور معاشی مسائل بڑھ جائیں تو حد سے بڑھ جائے وہاں رسم و رواج بے معنی ہو جاتے ہیں۔

گوبر اپنے گھر کی معاشی حالت، روزگار کی کمی اور جاگیر داروں کے استحصالی رویہ سے تنگ آکر اور بہتر روزگار کی تلاش میں شہر چلا جاتا ہے۔ گوبر ان تمام لوگوں کا نمائندہ ہے جو معاشی حالات سے تنگ آکر شہروں کا رخ کرتے ہیں۔ شہروں میں روزگار کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔ شہروں میں کارخانے اور فیکٹریاں قائم ہوتی ہیں۔ اس لیے گاؤں کے مقابلے میں شہروں میں معاشی ترقی کے راستے زیادہ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ عوام کا معاشی استحصال بھی شہروں میں کم ہوتا ہے۔ اس لیے شہری زندگی نوجوانوں کے لیے کشش رکھتی ہے۔ گوبر شہر میں مالتی اور خورشید مرزا کے درمیان رہتا ہے اور جب گاؤں لوٹتا ہے تو اس کے خیالات کے ساتھ ساتھ اس کی معاشی حالت بھی تبدیل ہو چکی ہوتی ہے۔ گوبر اس بات سے آگاہ ہو چکا تھا کہ جاگیر دار طبقہ کا تمام آرام و سکون غریب کسانوں کی خون پسینے کی محنت کی وجہ سے ہے۔ جب اس کا باپ اس کے سامنے جاگیر داروں کی حمایت کرتا ہے تو اس کے جواب میں گوبر کہتا ہے:

" جسے دکھ ہوتا ہے، وہ در جنوں موٹر نہیں رکھتا۔ اور نہ ناچ رنگ میں
پھنسا رہتا ہے۔ آرام سے راج پر سکھ بھوگ رہے ہیں۔ اس پر دکھی بنتے
ہیں۔" (۱۳)

پریم چند نے اس ناول میں اپنے معاشرے کے اس محروم طبقے کے معاشی مسائل اور حالت زار کو بیان کیا ہے جو اپنے بے پایاں حوصلوں اور بے کراں قوت کے باوجود تلخیوں اور محرومیوں کا شکار ہے اور معاشی بدحالی اور مفلسی کی اذیتوں سے بھرپور زندگی گزار رہا ہے۔

اس ناول کا اہم نسوانی کردار ' دھنیا' ہے جو ہوری کی بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ معاشی حوالے سے اس کی مددگار بھی ہے۔ یہ ایک سمجھ دار کردار ہے۔ ہر طرح کے معاشی مسئلے پر اپنے شوہر کا ساتھ دیتی ہے۔ اپنی زمینوں کو بچانے کے لیے اپنی بیٹیوں کی قربانی بھی دے دیتی ہے۔ وہ پوری ہمت اور جرأت سے گاؤں والوں کا سامنا کرتی ہے۔ اپنی محنت کی تمام فصل تاوان میں دینے کے بعد اپنے بچوں کے ساتھ فاقہ بھی کاٹتی ہے۔ پریم چند جاگیرداروں کے معاشی استحصال کے بارے دھنیا کے خیالات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

" میں جانتی ہوں، یہاں تو حصہ بانٹ ہونے والا تھا۔ سب ہی کے منہ
میٹھے ہیں۔ یہ ہتھیارے گاؤں کے مکھیا ہیں۔ گریبوں کا خون چوسنے
والے سود بیاج، ڈیڑھ سوائی، نجر، بھینٹ، گھوس، رشوت جیسے ہو
گریبوں کو لوٹو۔ اس پر سوراج چاہیے۔ جیل سے سوراج نہ ملے گا۔
سوراج ملے گا دھرم سے پناؤ سے۔" (۱۴)

دھنیا اپنے معاشی حالات پر ہمت نہیں چھوڑتی بلکہ ڈٹ کر ان کا مقابلہ کرتی ہے۔ وہ اپنا اور بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے سُتلی بیچتی ہے۔ ہوری کی موت پر جب داتادین اسے گئودان کرنے کو کہتا ہے تو اپنی کل جمع پونجی لا کر اس کے سامنے ہوری کی ٹھنڈی ہتھیلی پر رکھ کر کہتی ہے:

"مہراج گھر میں گائے ہے نہ بچھیا، نہ پیسہ، یہی پیسے ہیں۔ یہی ان کا گئو
دان ہے۔ اور غش کھا کر گر پڑی۔" (۱۵)

دھنیا ایک ایسا مضبوط کردار ہے جو ہر طرح کے معاشی مسائل میں اپنے گھر والوں کا ساتھ دیتی ہے۔ اپنی محنت اور جفاکشی سے افلاس اور بے سروسامانی کے عالم میں اپنے گھر کو سنبھالے رکھتی ہے۔ اس کردار کے بارے میں پروفیسر عقیل رضوی لکھتے ہیں:

"دھنیا کے خون میں ہندوستان کی تڑپتی ہوئی انسانیت ہے۔ جو اس نظام کی سختیوں سے ہار کر بے ہوش ہو کر گر پڑتی ہے مگر کسی میں ہمت نہیں کہ اس آہنی حلقے کو توڑ سکے۔" (۱۶)

اس ناول میں پریم چند نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ کہ کسان کو معاشی حوالے سے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ جاگیر دارانہ نظام ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مہاجن، پنڈت، پولیس، ساہو کار، اور مکھیا بھی کسان کی بے بسی اور لاچاری سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں کسان ساری زندگی محنت کرنے کے باوجود نہ تو پیٹ بھر کھانا کھاتا ہے اور نہ ہی سکون کی نیند پاتا ہے۔ اپنی ساری محنت کے باوجود اپنی نسل کے لیے وراثت میں صرف خواب ہی چھوڑ کر جاتا ہے۔ جو اس کو اپنے آباؤ اجداد سے وراثت میں ملے تھے۔

مصنف نے اس ناول میں دیہاتی پس منظر میں جاگیر دارانہ نظام کے تحت معاشی مسائل کا احاطہ کیا ہے تو دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام کے تحت مزدوروں اور محنت کشوں کے معاشی مسائل کو بھی بیان کیا ہے۔

گوبر گاؤں کی زندگی کو اپنی معاشی مجبوریوں اور اچھے روزگار کی تلاش میں چھوڑ کر شہر چلا جاتا ہے۔ شہر میں آزادی پانے کی بجائے سرمایہ دارنہ نظام کا ایک بے بس پرزہ بن جاتا ہے۔ اس طرح پرانے نظام کا حصہ بن کر معاشی زبوں حالی کی تصویر بن جاتا ہے۔ ڈاکٹر اے۔ بی اشرف لکھتے ہیں:

"گئودان میں مزدور اور کارخانے کی کشمکش کا ذکر بھی کیا ہے اور دکھایا ہے کہ اگر ایک طرف کسان زمیندار کے ہاتھ سے تباہ حال ہے تو دوسری طرف مزدور کارخانہ دار کے ہاتھوں پس رہا ہے۔ اگر ایک طرف جاگیر دارانہ نظام معیشت میں زمین کی ملکیت امراء کے ایک خاص طبقے میں مرکوز ہو کر رہ جاتی ہے تو دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں تمام سرمایہ اور پیداوار نجی ملکیت بن کر رہ جاتی ہے۔" (۱۷)

گوبر کا کردار ایک طرف کسان کی معاشی حالت کی نمائندگی کرتا ہے تو دوسری طرف شہر میں سرمایہ دارانہ نظام کے گھناؤنے رخ سے پردہ اٹھاتا ہے۔ وہ اس طبقے کا نمائندہ

ہے جو دیہات میں ہے تو جاگیر دار کے ظلم کا شکار ہے اور شہر میں آتا ہے تو مل مالک اس کا استحصال کر کے اپنی جیبیں بھر رہا ہے۔ اس کے بارے میں پریم چند لکھتے ہیں:

" اب کے بجٹ میں شکر پر ٹیکس لگ گیا تھا۔ مل کے مالکوں کو اجرت گھٹانے کا ایک اچھا بہانہ مل گیا۔ ٹیکس سے اگر پانچ کا نقصان تھا تو اجرت گھٹا دینے سے دس کا منافع تھا۔"(۱۸)

'مسٹر کھنہ' اس سرمایہ دارانہ نظام کا نمائندہ کردار ہے۔ مسٹر کھنہ کی معاشی ہوس، خود غرضی اور منافع کی ہوس کا شکار مزدور طبقہ تھا تو دوسری طرف زوال آمادہ جاگیر دار بھی اس کی ہوس سے نہ بچ سکا۔ جب مزدوروں نے تنخواہ میں کٹوتی پر احتجاج کیا تو مل مالکان نے مزدوروں کو فارغ کرنا شروع کر دیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ نئے مزدور کم اجرت پر رکھ لیے جائیں۔ اس طرح زیادہ منافع حاصل کر سکیں گے۔ مصنف اس صورت حال کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

" کمپنی کے ڈائریکٹر بھی اپنی گھات میں بیٹھے تھے۔ ہڑتال ہونے میں ان کا ہی فائدہ تھا۔ آدمیوں کی کمی تو ہے نہیں۔ بے کاری بڑھی ہوئی ہے۔ اس سے نصف اجرت پر ویسے ہی آدمی آسانی سے مل سکتے ہیں۔"(۱۹)

سرمایہ دار کی ہوس اور لالچ پر مبنی اس سوچ نے پورے معاشرے اور خصوصاً محنت کش طبقے میں بے بسی، محرومی اور بے حسی کو فروغ دیا۔ معاشی ذرائع پر قبضے نے سرمایہ دار کو استحصال کی عام چھوٹ دے دی تھی۔ پریم چند نے مزدوروں کی معاشی بدحالی کا نقشہ پروفیسر مہتا کی زبانی اس طرح بیان کیا ہے:

" آپ کے مزدور بلوں میں رہتے ہیں، گندے اور بدبو دار بلوں میں جہاں آپ ایک منٹ رہیں تو قے ہو جائے، جو کپڑے وہ پہنتے ہیں ان سے آپ اپنے جوتے بھی صاف نہ کریں گے جو کھانا وہ کھاتے ہیں وہ آپ کا کتا بھی نہ کھائے گا۔" (۲۰)

پریم چند نے اس ناول میں ایسے معاشی نظام کی تصویر کشی کی ہے جس نے فرد کو مجبور اور بے بس کر کے ایک ایسے غار میں پھینک دیا جہاں وہ اپنی بنیادی ضروریات زندگی اور بنیادی حقوق تک کو جاگیر دار اور سرمایہ دار کی ہوس اور خود غرضی پر قربان کر دینے پر مجبور تھے۔

پریم چند نے اس ناول کے ذریعے بیسویں صدی کے معاشی حالات کو بیان کیا ہے۔
دراصل اس ناول کے ذریعے اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کا آغاز انجمن ترقی پسند کے مصنفین کے قیام سے ہوا۔ ۱۹۳۵ء میں سجاد ظہیر، ملک راج آنند، جیوتی گھوش، پرموسین گپتا اور ڈاکٹر تاثیر نے لندن میں اس ادبی تنظیم کا ابتدائی خاکہ تیار کیا۔ ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ میں پریم چند کی زیر صدارت ایک جلسے میں اسے حتمی شکل دی گئی۔

حوالہ جات

۱۔ خالد اشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اردو ناول، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۵ء، ص۱۹

۲۔ پریم چند، گوشۂ عافیت، لاہور: اتحاد پریس جامعہ دہلی، ۱۹۶۹ء، ص۸

۳۔ ایضاً ص۲۵۵

۴۔ محمد افضال بٹ، اردو ناول میں سماجی شعور، اسلام آباد: پورب اکیڈمی، ۲۰۰۹ء، ص۲۷

۵۔ پریم چند، چوگانِ ہستی، لاہور: سنگ میل پبلشرز، ۲۰۰۵ء، ص۲۰

۶۔ صالحہ زریں، اردو ناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ، الہ آباد: سرسوتی پبلشرز، ۲۰۰۰ء، ص۲۱

۷۔ محمد افضال بٹ، ڈاکٹر، اردو ناول میں سماجی شعور، ایضاً ص۲۵۰

۸۔ پریم چند، گئودان، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۴ء، ص۲۱۱

۹۰۔ ایضاً ص۲۱۱

۱۰۔ احتشام حسین، پروفیسر، افکار و مسائل، لکھنؤ: ادارہ فروغ اردو، س ن، ص۱۱۷

۱۱۔ پریم چند، گئودان، ایضاً ص۴۱۵

۱۲۔ احتشام حسین، پروفیسر، افکار و مسائل، ایضاً ص۱۲

۱۳۔ ایضاً ص۱۱۱

۱۴۔ ایضاً ص۲۴۵

۱۵۔ ایضاً ص۸

۱۶۔ عقیل رضوی، پروفیسر، پریم چند ایک سماجی حقیقت نگار، مشمولہ: پریم چند نمبر (مدیر: علی احمد فاطمی) الہ آباد: یونیورسٹی، ۱۹۸۰ء، ص۱۰۹

۱۷۔ اے۔ بی اشرف، ڈاکٹر، مسائل ادب تنقید، تجزیہ، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۵ء، ص۳۲۰

۱۸۔ ایضاً ص۴۴۳

۱۹۔ ایضاً ص۳۴۰

۲۰۔ ایضاً ص۳۴۹